مرتبہ: غازی خدا بخش اچھرہ لاہور

یادگارِ اسلاف

سوانح حیات امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رح

غازی خدا بخش مرحوم کا یہ طویل مضمون دسمبر ۱۹۶۳ء سے فروری ۱۹۶۴ء تک ہفت روزہ "خدام الدین" لاہور کی آٹھ قسطوں میں شائع ہوا تھا۔ یہ ایک نادر مضمون تھا اور حضرت امام سندھی سے بہت قریبی تعلق رکھنے والی شخصیت کے قلم کا یادگار تھا۔ اس کی ابتدائی چند قسطیں گزشتہ سال الولی کے خصوصی شمارے "امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی" بابت ماہ اگست ستمبر ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا تھا اب مضمون کا بقیہ حصہ شائع کیا جا رہا ہے۔ واضح رہے کہ مضمون کی ساتویں قسط پر شریک مرتب کی حیثیت سے شیخ بشیر احمد ایم اے کا نام بھی چھپا ہے۔ شیخ بشیر احمد حضرت مولانا سندھی کے علوم و افکار اور متعدد تفسیری رسائل کے مولف و مرتب کی حیثیت سے عبید اللہی سلسلے کی ایک معروف شخصیت ہیں ــــ (ابو سلمان سندھی شاہجہان پوری)

آپ کا کابل میں ورود

غزنی سے روانہ ہو کر منزل بمنزل کابل پہنچے قندھار کے گورنر کا خط دکھایا تو داخل ہونے کی اجازت ملی۔ ایک مکان کرایہ پر لیا سب سامان اس میں رکھا۔ آپ شیخ ابراہیم کو ملنے گئے دوسرے

دن واپس آئے یہ مکان کچھ خراب تھا ۔ لہذا دوسرے مکان کی تلاش میں نکلے معلوم ہوا کہ علیا حضرت والدۂ امیر امان اللہ خاں کی مسجد کے پاس ایک مکان ہے وہاں گئے پوچھا "ایں جا مکان برائے کرایہ ہست" ؟ ایک شخص نے کہا "بلے مفت است" آپ کو ایک پاخانے میں داخل کر دیا مولانا لغاری نے ایک مکان کی طرف اشارہ کر کے کہا تو بولا "ایں مکان نیست ایں کوٹھا است کوٹھا ایں برائے کرایہ است" چار روپے میں وہ مکان کرایہ پر لے لیا ۔

قندھار میں جو ماہوار تنخواہ مقرر ہوئی تھی ۔ چنانچہ آپ مسٹر ابراہیم کے ہاں کھانا کھاتے اور آپ کے رفقاء سامان بیچ کر گزارہ کرتے ۔ چار پانچ دن گزر گئے تو سردار محمود طرزی نے مسٹر ابراہیم سے پوچھا "مولانا عبید اللہ کابل میں ابھی آئے ہیں یا نہیں ؟ انھوں نے کہا کہ آ چکے ہیں ۔ بولے "ملاقات میکنیم" چنانچہ سردار عبدالہادی خاں کو خوش آمدید کہنے کے لیے بھیجا ۔ ان کے ذریعے سردار سے ملاقات ہوئی ۔ ترکی کے شریک جنگ ہونے کا ان پر بہت زیادہ اثر تھا اس لیے آپ کا رابطہ ان سے زیادہ ہوتا گیا ۔ انھوں نے آپ کی ملاقات معین السلطنت امیر امان اللہ سے کرائی چنانچہ انھوں نے بھی ایک دن سردار صاحب کی معیت میں آپ کو کھانے پر بلایا ۔ اس کھانے کے بعد آپ نے پورا ایک دن چھری کانٹے استعمال کرنے کی مشق میں صرف کیا پھر بے تکلف کھانوں میں شریک ہوتے رہے ایک دن باتوں باتوں میں سیاسی بحث چھڑ گئی ۔ امان اللہ خاں کی باتوں سے معلوم ہوا کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ ہندوستان کو بیچنے کے لیے آئے ہیں ۔ آپ نے انھیں ڈانٹ کر کہا کہ ہم اس خیال سے نہیں آئے ہم تو برادرانہ طور پر آئے ہیں ۔ دوسری ملاقات میں عنایت اللہ خاں سے بھی باتیں ہوئیں وہ بہت خاطر مدارات سے پیش آئے اس سے آپ کا ذکر سلطنت کے دیگر سرداروں میں پہنچ گیا ۔

سردار جنرل نادر خاں سپہ سالار اور ان کا خاندان مولانا رشید احمد گنگوہی کے مرید ہیں قندھار میں صوفی جان محمد نے آپ کو ایک کرِچ دی تھی جو انہیں جنرل نادر خاں نے پیش کی تھی اور کہا تھا کہ ان سے ملنے جائیں تو یہ کرچ لگا کر جائیں ۔ یہ بہت قیمتی تھی اس کا میان اور دستہ دونوں سیپ کے تھے جنرل نادر خاں کی ملاقات کے وقت آپ یہ لے کر گئے ۔ وہ بہت محبت

سے ملے آپ کو ہر طرح کی امداد کا یقین دلایا۔ آپ کے قیام کابل میں جو مشکلات سرکاری طور پر پیدا ہو سکتی ہیں۔ ان کے زائل کرنے میں اپنی تمام توجہ مصروف رہی۔ احتیاط کا تقاضا یہی تھا کہ آپ بظاہر سردار سپہ سالار سے اجنبی بنے رہیں اس پر آپ نے عمل کیا ان کے خاندان کا آپ کے خاندان کے دیگر مشائخ سے خاص رابطہ چلا آتا تھا۔ اس لیے ان کا ہر قول و فعل اخلاص و محبت کی بناء پر تھا۔ امیر حبیب اللہ کی حکومت اور ان کی اصلاحات کامیاب بنانے میں جنرل نادر خاں اور ان کے خاندان کا خاص حصہ تھا یہ ہندوستانیوں کے واقعی محسن اور سرپرست تھے۔
لہذا آپ ان کے بہت ممنون تھے۔ انہوں نے کبھی احسان کا اظہار نہ کیا نہ کبھی ستائش کی تمنا اور صلے کی پروا کی ہندوستانی معاشرے کے حامی تھے۔ شرعیہ میزان التحقیقات قاضی عبدالرزاق خاں سے ملاقات ہوئی۔ سلطنت افغانیہ میں شرعیہ فیصلوں کی اپیل کا ایک محکمہ ہے جسے میزان التحقیقات شرعیہ کہتے ہیں اس محکمے کے رئیس تھے یہ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے انھوں نے حدیث حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ سے پڑھی۔ ان کی ملاقات سے پرانے علمی دوستوں کی یاد تازہ ہو گئی آپ کے سفر کے متعلق تمام اطلاعات ان کے پاس موجود تھیں۔ انھیں جب اچھی طرح اطمینان ہو گیا کہ آپ ہی کا نام عبیداللہ ہے تو بہت مسرور ہوئے اور آپ کے گردیدہ ہو گئے انہوں نے آپ کے مضامین دیوبند کے رسالہ "القاسم" میں پڑھے تھے جنھیں انھوں نے بہت پسند فرمایا تھا کہنے لگے کاش آپ کے مضامین "القاسم" میں مکمل ہو جاتے۔

آپ کے رفقاء کے کھانے کا انتظام اچھا نہ تھا کبھی آپ مدد کرتے اور کبھی وہ اسباب بیچتے اِنہی دنوں ایک ترک ڈاکٹر سے ملے اور انہی کے ذریعے آپ جرمن اور ترک وفد سے ملے اسی وفد میں راجہ مہندر پرتاب تھے اب تک امیر صاحب سے ملاقات نہ ہوئی تھی۔

ایک دن صبح کی نماز کے بعد مشرق دروازے سے جسے کابل دروازہ کہتے باہر سیر کو نکلے تو معین السلطنت عنایت اللہ خان گھوڑے پر ہوا خوری کے لیے جاتے دکھائی دیئے باتیں کرتے ہوئے کہنے لگے "آغا معاف دارید تا حال امیر صاحب ... از شما نہ پرسیدہ است" شیخ ابراہیم نے بتایا کہ امیر صاحب کی اجازت کے بغیر کوئی ان سے کسی بات کے متعلق دریافت نہیں کر سکتا آپ نے

مولانا لغاری سے کہا کہ بالکل امیر صاحب جیسا سوٹ سلوایا جائے چنانچہ ایک دن آپ وہ پہن کر مسٹر ابراہیم اور مولانا لغاری کے ہمراہ سیر کو نکلے مولانا کے کپڑے معمولی تھے۔ امیر صاحب موٹر میں سیر سے واپس آرہے تھے دور سے دوربین کے ذریعے دیکھا ولی اور ہاشم ساتھ تھے ان سے پوچھا یہ کون ہیں انھوں نے کہا "ما نمے دانیم" عنایت اللہ خاں را خبر باشد" قریب آکر موٹر آہستہ چلنے لگی عنایت اللہ خاں نے اپنی موٹر تیز چلائی اور امیر صاحب کے قریب آگئے۔ امیر صاحب نے ان سے پوچھا تو انھوں نے کہا "بلے ما مے دانیم" اس سے آپ کی ملاقات کی طرح پڑ گئی آپ نے پھر مکان تبدیل کیا آپ کے رفقاء بھی وہاں چلے گئے۔ ایک رات ایک خاص گھوڑا گاڑی عشا کے بعد مکان کے نیچے آکھڑی ہوئی معلوم ہوا کہ عنایت اللہ خاں نے بلایا ہے آپ گاڑی میں سوار ہو کر چلے گئے۔ دل کشا منزل میں گئے تو وہاں کیا دیکھتے ہیں کہ امیر حبیب اللہ خان بھی بیٹھے ہیں۔ نائب السلطنت نصر اللہ خاں نے ایک کرسی پر آپ کو بٹھایا۔

اگر امیر حبیب اللہ خاں کی پرائیویٹ زندگی سے قطع نظر کیا جائے تو انھیں "شاہ اصلاح پسند" کہنا درست ہے۔ امیر عبدالرحمٰن خاں مرحوم کے بعد اس قسم کا امیر اگر بر سر اقتدار نہ آتا تو افغانستان ایک خطہ گمنام رہتا۔ دو مدرسے کھولے گئے ایک حربیہ اور دوسرا حبیبیہ، اسی طرح دو شفا خانے ملکی اور نظامی نئے طریقے پر قائم کیے گئے۔ حبیبیہ مدرسے کا تمام تر انتظام ہندوستانیوں کے ہاتھ میں تھا۔ چنانچہ حافظ احمد دین بی۔اے اس کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ شیخ محمد ابراہیم ایم۔اے کو آپ نے انہیں کے ذریعے کابل بھجوایا تھا۔ ان کے ساتھ مولوی علی محمد قصوری ایم اے ایل مولانا عبدالقادر قصوری مرحوم کو حافظ صاحب اپنے انتخاب سے لے گئے تھے۔

حربیہ سکول کا انتظام ترک افسروں کی نگرانی میں تھا۔ اسی طرح ملکی شفاخانے کا افسر ڈاکٹر منیر عزت بیک بھی ایک شریف ترک تھے، اور نظامی شفا خانے کے انچارج ایک ہندوستانی ڈاکٹر اللہ جوایا خاں تھے دونوں شفا خانوں میں دیگر عملہ ہندوستانی تھا ایک دو عالیشان عمارتیں بھی تعمیر کرائی گئیں۔ جن میں کچھ یورپ کے انجینئر کام کرتے تھے۔ امیر عبدالرحمٰن خاں کے بنوائے ہوئے مشین خانے میں ترکی، افغانی اور ہندوستانی کاریگر کام کرتے تھے انھیں برقی قوت چلانے کا تمام سامان مہیا کر دیا

گیا۔ کابل سے چالیس میل کے فاصلے پر جبل السراج میں برقی قوت پیدا کرنے کا کارخانہ تیار کیا گیا۔ دیگر اجنبی انجینئر تو کام میں روڑے ہی اٹکاتے رہے۔ امیر امان اللہ خاں نے تخت نشین ہونے کے بعد کام جاری کرایا۔ اور تکمیل کا سہرا ایک ہندوستانی انجینئر کے سر بندھا۔

کابل میں سراج الاخبار جاری ہوا تو چند روز بعد اس کی ادارت سردار محمود طرزی کے سپرد ہوئی اس اخبار کے مطبع میں مصری اور ہندوستانی مصروفِ کار تھے۔ آپ نے فرمایا ان تمام اصلاحی کاموں میں روح رواں سردار محمود طرزی تھے ان کی زندگی کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف تھے افغانستان کی اصلاح میں جس قدر ثابت قدمی سے اس مرد خدا نے جہاد کیا اس کی نظیر مشرقی اقوام میں بہت کم ملے گی۔

امیر حبیب اللہ امیر شہید نے بھی افغانستان کی گھریلو زندگی کی اصلاح و ترقی میں نمایاں کام کیا کابل کے ایک گھر کو باہر سے دیکھا جائے تو ایک معمولی حیثیت کا نظر آئے گا۔ لیکن اندرونی حالت کو دیکھ کر معلوم ہوگا کہ یہ تو صفائی، سلیقہ اور آراستگی کے لحاظ سے نمونے کا ایک گھر ہے۔ امیر شہید اگرچہ اعلیٰ حضرت شاہ افغانستان کا لقب رکھتے تھے۔ لیکن ان کے دربار میں سوائے ایک پنجابی انگریزی قونصل کے دوسری کسی حکومت کا کوئی آدمی رسمی طور پر بھی نظر نہ آتا تھا البتہ اسلامی ممالک کے معزز افراد اپنی شخصی حیثیت سے کابل میں ممتاز نظر آتے تھے۔

سلطنت افغانستان کے سردار

امیر شہید کے چھوٹے بھائی سردار نصر اللہ خاں نائب السلطنت تھے بڑے بیٹے سردار عنایت اللہ خاں معین السلطنت اور منجھلے صاحبزادے سردار امان اللہ خاں عین الدولہ کہلاتے تھے سلطنت کے امور میں حسب مدارج سب شریک تھے صوبے کا حاکم نائب الحکومت امیر صاحب خود مقرر کرتے تھے۔ اس کے ماتحت ہر ضلع کا حاکم نائب السلطنت چنتے تھے۔ شرعی فیصلہ کرنے کے لیے قاضی کو سردار معین السلطنت مامور کرتے اور عمومی فوجی بھرتی جسے ہشت نفری کہا جاتا ہے سردار عین الدولہ کے انتظام میں تھی۔

ان سرداروں کے علاوہ، امیر عبدالرحمن خاں کے وقت سے وزیر تھے جو بڑھاپے کو پہنچنے کی وجہ سے پنشن پا نے تھے انھیں سردار اعتماد الدولہ عبدالقدوس خاں کہتے تھے ۔ شاہی خاندان جس قبیلے کی شاخ ہے اسے محمدزئی کہتے ہیں ۔ سردار اعتماد الدولہ اپنی عمر کے لحاظ سے محمد زئیوں کے قومی بزرگ تھے لہذا خود امیر صاحب بھی ان کی عزت اپنے بزرگوں کی طرح کرتے تھے ۔ عید کے روز سلام کے لیے خود امیر صاحب ان کی خدمت میں جاتے ان کے لیے سلام خانے کی حاضری معاف تھی۔ ان کے دو بھتیجے سردار محمد یوسف خان اور سردار محمد آصف خان مصاحبین خاص کا لقب رکھتے تھے وہ امیر شہید کی مجلس میں ہمیشہ حاضر رہتے ۔ سردار محمد یوسف خان کے بڑے صاحبزادے سردار محمد نادر خاں سپہ سالار تھے ۔ مصاحبین خاص کی اولاد میں آٹھ دس شائستہ ... اہمیت رکن تھے ۔ دوسرے درجے کے تمام عہدے انھیں بھائیوں کے ہاتھ میں تھے ان حضرات کے علاوہ شاہی خاندان کے دیگر شرفاء اس قدر زیادہ تھے کہ ہندوستان کے کسی بڑے شہر میں اتنی تعداد میں کہیں جمع نہ تھے ۔

پہلا باب

کابل کی اہمیت

اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ ہندوستان میں آزادی پسند لوگوں کے لیے عموماً سب سے زیادہ موزوں مرکز دارالسلطنت کابل تھا ۔ اسے ہندوستان کے غالب حکمران خوب جانتے ہیں دہلی کی اسلامی سلطنت اگرچہ ضعیف ہوگئی تھی لیکن انگریزوں میں اس پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت اسوقت تک نہ ہوسکی جب تک انہوں نے پنجاب پر قبضہ کر کے دہلی سے کابل کا تعلق نہ توڑ دیا ۔ اس سے پہلے مرہٹوں کے حملوں کا زور توڑنے کے لیے دہلی نے کابل و قندھار سے مدد حاصل کی جس میں نجیب الدولہ کا خاص ہاتھ تھا سیاسی مطالعہ کرنے والوں کے علم میں ایک قسم کا اضافہ ہوگا اگر انہیں یہ بتا دیا جائے کہ نواب نجیب الدولہ حضرت شاہ ولی اللہ کے خاص معتقدین سے تھے اور ان کی سیاسی فلاسفی کو اپنے ایمان کا جزو اعظم سمجھتے تھے ۔

دوسری دفعہ جب انگریزوں نے دہلی پر قبضہ جمایا تو حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے وابستگان حضرت سید احمد شہید اور مولانا محمد اسمٰعیل شہید کی رفاقت میں اسی انگریزی قبضہ کو اٹھانے میں مصروف ہوئے قندھار اور کابل کے راستے پشاور پہنچے اور افغانوں ہی کی مدد سے کوشش کی لیکن دو چار سال کے بعد بالاکوٹ کے مقام پر شہید ہوئے۔

نائب السلطنت سردار نصر اللہ خاں سے ملاقات

حاجی عبدالرزاق خاں دلی چاہتے تھے کہ آپ کی ملاقات نائب السلطنت سے ہو کیونکہ غیر رسمی پولیٹکل معاملات کا تعلق انہی سے تھا۔ صرف رسمی معاملات اعلیٰ حضرت امیر حبیب اللہ کے پیش ہوتے ہیں۔ لیکن آپ نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے قاضی صاحب کو مشورہ دیا کہ سردار معین السلطنت امیر امان اللہ کے ذریعے آپ کی ملاقات ہونی چاہیئے اس بات کو پسند کیا گیا چنانچہ آپ سے ایک مختصر عریضہ لکھوایا گیا جس میں آپ نے اپنے مقاصد تحریر کر دیئے ایک روز سردار معین السلطنت آپ کو اپنے ہمراہ ملاقات کے لیے لے گئے نائب السلطنت دونوں سے تنہائی میں ملے دو گھنٹے تک مفصل حالات سنے کچھ سوالات کیے جوابات سے مطمئن ہو گئے۔ یہ بھی ایک آزمائش تھی جس میں خدا کے فضل سے آپ کامیاب رہے آپ نے محسوس کیا کہ نائب السلطنت آپ کی گفتگو سے محظوظ ہوتے ہیں آخر انھوں نے خواہش کی کہ آپ کی ان باتوں کا خلاصہ فارسی میں تحریر کیا جائے۔

آپ تو اسلامی تاریخ کا عموماً مطالعہ کرتے رہتے اور ہندوستانی تاریخ میں سلطان عالمگیر اور اس کے بعد کا دور تو آپ کا خاص مضمون ہے۔ اس لیے کہ حضرت شاہ ولی اللہ کے خاندان کی علمی و سیاسی تحریکیں یہیں سے شروع ہوتی ہیں۔ لیکن یورپین طریقے پر سیاسیات کے مطالعہ کا سامان آپ کو زیادہ میسر نہ آیا اردو یا فارسی میں اسی نئی طرز کو سمجھنے کے لیے بہت کم کتابیں ملتی ہیں لہذا ایک عرصے سے سیاسیات سے ناواقف تعلیم یافتہ کا اشتراک آپ اپنے لیے ضروری سمجھتے تھے۔ شیخ محمد ابراہیم نے تاریخ اور اقتصادیات میں بمبئی یونیورسٹی سے ایم۔ اے کا امتحان پاس کیا ہوا تھا اور کابل پہنچنے سے پہلے آپ نے ان سے اشتراک پیدا کر لیا تھا وہ آپ سے پہلے کابل پہنچ کر ملازمت اختیار کر چکے تھے۔

اس زمانے میں وہ آپ کے مشیر تھے آپ نے بہت احتیاط سے سات آٹھ صفحے لکھے اور شیخ صاحب کو سنائے انھوں نے بعض جگہ مفید اضافہ کیا اور وہ مضمون آپ نے سردار محمود طرزی اور سردار معین السلطنت کی معرفت بھیج دیا۔ نائب السلطنت آپ کی طرز تحریر سے سمجھ گئے کہ جب تک آپ کا معاملہ کا فیصلہ خود اعلیٰ حضرت امیر صاحب نہ کریں گے آپ اسے قابل اطمینان نہیں سمجھتے۔ چنانچہ انہوں نے ایک ماہ بعد امیر صاحب کے سامنے وہ مضمون پیش کرنے کا انتظام کیا۔

اعلیٰ حضرت امیر حبیب اللہ خاں سے ملاقات

ایک دن سردار نائب السلطنت نے آپ کو قصر زین العمارت میں دعوت دی آپ وہاں پہنچے تو عصر کے بعد امیر صاحب بھی وہاں آگئے کمرے میں ایک میز اور دو کرسیاں تھیں ایک پر امیر صاحب خود بیٹھ گئے۔ دوسری پر آپ کو نہایت محبت و شفقت سے بٹھایا۔ نائب السلطنت نے آپ کا فارسی مضمون امیر صاحب کے پیش کیا اور کمرے سے باہر جا کر پہرہ دینے لگے۔ امیر صاحب نے آدھ گھنٹہ تک اسے غور سے مطالعہ فرمایا اور متاثر ہو کر پسندیدگی کا اظہار فرمایا اور زبانی طور پر کام کرنے کے لیے ایک خاص حکم فرمایا جس کی تعمیل آپ قیام کابل میں پوری امکانی طاقت سے کرتے رہے۔ آپ نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اگر شیخ محمد ابراہیم مرحوم کا صحیح مشورہ حاصل نہ ہوتا تو آپ کی بات زیادہ مؤثر نہ ہوتی اور آپ اپنے کو ایک ہندوستانی مسلمان کی حیثیت میں پیش نہ کرتے بلکہ صرف ایک مسلم کی صورت میں آپ کا تعارف ہوتا۔ اور چند دن کے بعد آپ کو ہندوستانیت اپنا مسلک بنانے کی ضرورت پیش آتی۔ جس سے آپ کا درجہ کچھ کم سمجھا جاتا۔ امیر صاحب نے آپ کی عزت افزائی سے یقیناً ہندوستان پر احسان کیا۔ یہ اس لیے نہ تھا کہ آپ نے اپنے تئیں ہندوستان کا فرضی نمائندہ بنالیا تھا بلکہ زیادہ عزت اس لیے کی کہ آپ نے اپنی تحریر میں مبالغے سے بالکل کام نہ لیا تھا۔ اعلیٰ حضرت کو ذاتی طور پر جس قدر معلومات حاصل تھیں آپ کا بیان بھی ان کے قریب قریب تھا۔ آپ ایک محکوم قوم کے متوسط طبقے کے آدمی ہیں۔ اور پھر مذہبی عالموں میں صحیح معلومات کے

مالک ہیں۔ ایسے نازک موقع پر آپ صداقت کا دامن ہاتھ سے نہیں دیتے اعلحضرت اور ان سے پہلے نائب السلطنت کے لیے واقعی آپ کی شخصیت ایک نادر اور موثر مثال تھی چنانچہ آپ اپنے حق میں خداوند تعالیٰ کی خاص رحمت سمجھتے ہیں جس میں اپنے استاد حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسنؒ کی دعا اور ان کے حکم کی تعمیل کی برکت کا کافی دخل خیال فرماتے ہیں۔

ہندوستانی مشن سے ملاقات

جنگ آزادی کے شروع ہونے پر آزادی پسند تمام ہندوستانی جو یورپ میں موجود تھا۔ وہ سب برلن میں آ جمع ہوئے چنانچہ انھوں نے جرمن حکومت کے اشتراک سے ہندوستان کی آزادی کا کام شروع کر دیا۔ برلن انڈین سوسائٹی ان کا مرکزی جماعت تھی۔ اس سوسائٹی نے تجویز کیا کہ ایک مشن کابل بھیجا جائے جو افغانستان کو لڑائی میں شامل ہونے کی دعوت دے اس کے لیے مولانا برکت اللہ بھوپالی کو امریکہ سے بلایا گیا۔

جس زمانے میں جناب نائب السلطنت انگلینڈ وغیرہ گئے تھے مولانا برکت کو وہ اس وقت سے جانتے تھے۔ اصل تجویز یہ تھی کہ مولانا برکت اللہ کو وفد کا رئیس بنایا جائے لیکن اسی دوران راجہ مہندر پرتاب سوئیٹزرلینڈ پہنچ گئے برلن سوسائٹی نے انہیں دعوت دی۔ لالہ ہردیال اس وقت سوسائٹی میں منتظم تھے۔ راجہ صاحب مشن کے رئیس قرار پائے۔ مولانا برکت اللہ صاحب بھی شامل کر دیئے گئے ان کے ساتھ کیپٹن ہینٹنگ جرمنی سے اور یوزباشی کاظم بیگ ترکی سے معاون بنا دیئے گئے یہ وفد ایران پہنچا تو وہاں موسیو اینڈ مائر اور لڈکر جو ایران میں جرمن حکومت کا کام کر رہے تھے وہ بھی وفد میں شامل ہو گئے۔ یہ وفد آپ سے ایک ہفتہ پہلے کابل پہنچ چکا تھا۔ اور ان کی مفصل ملاقاتیں ختم ہو چکی تھی آپ جب اعلیٰ حضرت سے ملاقاتی ہوئے تو آپ کو وفد کے ہندوستانی ممبروں سے ملنے کی اجازت مل گئی چنانچہ اچھی طرح ملنے کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ ہندوستانی معاملات میں آپ کے اور ہندوستانی ممبروں میں بہت فرق ہے ایک عرصہ تک مبادلہ خیالات کرتے رہے۔

اس زمانے میں آپ کا ترجمان ایک ہندوستانی نوجوان تھا جسے ہندوستانی مہاجر طلباء کی جماعت نے اپنا پریذیڈنٹ چنا تھا اس کا نام عبدالباری تھا۔ اور وہ لاہور گورنمنٹ کالج سے ایم۔ اے کلاس میں پڑھتا ہوا چلا گیا تھا۔ شیخ محمد ابراہیم چونکہ حبیبیہ سکول کابل میں ملازم تھے اس لیے انھیں ان سیاسی مجالس میں شامل ہونے کے لیے بہت کم موقع ملتا تھا۔

وفد کے ہندوستانی اور جرمن ممبروں میں آپ کی ملاقات سے پہلے اختلاف رونما ہو چکا تھا، وفد کے ہندوستانی دوستوں کے نظریات یورپین سائیکالوجی کے لیے نہایت دلفریب تھے جب تک وہ برلن اور استنبول میں رہے ترکوں اور جرمنوں نے ان کے نظریات کی بہت قدر کی لیکن کابل میں جب وہ عملی کارروائی کے لیے آئے تو وہاں وفد کے پریذیڈنٹ یا مولانا برکت اللہ صاحب ان کی کوئی زیادہ رہنمائی نہ کر سکتے تھے۔ انھیں عمر بھر افغانستان، صوبہ سرحد، پنجاب، سندھ اور بلوچستان کو نقشے میں دیکھنے سے زیادہ موقعہ نہ ملا تھا۔ وفد کے ممبر اگرچہ شروع میں آپ سے اخلاص کے ساتھ نہ ملے تھے۔ لیکن آہستہ آہستہ ان کا خیال آپ کے متعلق اچھا ہوتا چلا گیا۔ آپ کی ساری عمر شمالی ہند میں گزری تھی اور اسی اڈھیڑپن میں ہر کہ دمہ سے ملتے رہے۔ آپ کے پاس بعض ایسی معلومات بھی تھیں۔ جو کابل میں فوجی نقطہ نظر سے بہت قیمتی سمجھی جاتی تھیں۔ چنانچہ آپ کی رائے غالب آنے لگی۔ اختلاف خیالات کے باوجود آپ نے وفد کے ہندوستانی ممبروں کے احترام و اعزاز میں خاص طور پر کوئی فرق نہ آنے دیا اس لیے روز بروز ایک دوسرے کے قریب ہوتے گئے۔

دوسرا باب

راجہ صاحب سے مبادلہ خیالات پر آپ کو ایک گوار حقیقت کا علم ہوا اس حقیقت سے آپ ہندوستان میں بھی کسی قدر واقف ہو چکے تھے لیکن اس کی اہمیت کا صحیح احساس نہیں ہوا تھا۔ اب اس کی وسعت اور اثر کا حقیقی علم حاصل ہوا آپ کے خیالات کے سمجھنے میں ناظرین کو کچھ آسانی ہو لہٰذا آپ بعض گزشتہ واقعات کا ذکر کرتے ہیں آپ کی طالب علمی کا پہلا زمانہ تو ایسا ہے کہ اس وقت آپ اسلام اور مسلمانوں کے سوا کسی اور چیز کی ہستی ہی نہ مانتے تھے جب آپ کا مطالعہ پختہ ہوا آپ کو ہندوستانیت یا ہندو مسلم اتحاد کا خیال اور اس کی ضرورت

زور سے محسوس ہونے لگی اگرچہ عملی حصہ لینے کے لیے آپ کو اس زمانے میں کوئی موقع نہیں ملا تھا بعد ازاں جب مسلمانوں کی مرکزی جماعتوں کے ساتھ آپ کا تعارف ہوا تو آپ نے مناسب طور پر اپنے بزرگوں اور دوستوں کو اسی طرف توجہ دلانی شروع کی آپ کی مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب آپ کو امید سے زیادہ کامیابی نظر آئی۔

اس ضروری مسئلے کے محرکات

جس وقت آپ جمعیۃ الانصار دیوبند کے ناظم تھے تو آپ کے ایک سندھی دوست پروفیسر جیوت رام کرپلانی دیوبند آئے وہ دارالعلوم دیکھنا چاہتے تھے وہ آپ کے ایک ہفتہ تک مہمان رہے انہیں پوری آزادی سے دارالعلوم کی سیر کرائی۔ آخر میں وہ دارالعلوم کی بہت تعریف کرتے تھے کہ ہندو کے مستقبل میں جو چیزیں کارآمد ہوسکتی ہیں وہ اسی قسم کے کام ہیں اور دارالعلوم کی خدمات قابل تعریف اہمیت رکھتی ہیں اس پر آپ نے سوال کیا کہ کہیے "پروفیسر صاحب ہماری ضرورت ہے یا نہیں؟" ان کا جواب تھا بالکل نہیں" آپ اگر ضرورت سمجھیں تو ہمارے ساتھ ہو جائیں ورنہ ہندوستان ہمارا ہے اور ہم اپنا کام خود کریں گے" اس جواب کا اثر ظاہر ہے کہ آپ پر اچھا نہیں ہوا تھا بلکہ اس نے آپ کو ایک طرح بے قرار کر دیا

چند روز بعد آپ کے مؤتمر الانصار کا اجلاس مراد آباد میں قرار پایا بحیثیت ناظم مؤتمر الانصار آپ کو مراد آباد کے شرفاء سے ملاقات کے مواقع ملے آپ کا جلسہ خدا تعالیٰ کے فضل سے کامیاب رہا علی گڑھ کے پروفیسر جلال الدین صاحب سے جو آپ کے کاموں کو ابتدا سے اچھی طرح دیکھ رہے تھے آپ نے مؤتمر الانصار کی نسبت سوال کیا انھوں نے بہت تعریف کی اس پر آپ نے وہی سوال ان سے دہرایا۔ "کیوں صاحب ہماری ضرورت ہے یا نہیں" پروفیسر صاحب نے نہایت محبت آمیز متانت سے جواب دیا "آپ کے سوا ہم کچھ نہیں" اس جواب کا آپ پر گہرا اثر ہوا اور آپ نے دل میں اپنے آپ کو اور اپنے دوستوں کو سخت مذمت کی کہ تعلیم یافتہ جماعت سے آپ کیوں کھچے رہے۔ ساتھ ہی ہندو مسلم اتحاد کا مکمل پروگرام آپ کے سامنے آ گیا اس کی پہلی کڑی یہ تھی کہ قدیم وجدید نوجوان کا سمجھوتہ ہونا چاہیے پھر دوسرا قدم اٹھانا اس قدر مشکل نہیں رہے گا۔

تمہیدی مقدمات کی تکمیل

پرانے اور نئے خیال کے مسلمانوں میں محل نزاع کیا ہے آپ اسے اچھی طرح جانتے تھے علماء برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ عام مسلمانوں کی رہنمائی کا منصب ان کے ہاتھ سے نکلے اور تعلیم یافتہ طبقہ لیڈر شپ کا مدعی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ علماء کی رہنمائی میں وہ کوئی کام نہ کر سکیں گے آپ نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ سب سے پہلے کام یہ ہونا چاہئیے کہ اہل علم لیڈر شپ کے ادّعا سے دست بردار ہو جائیں اور تعلیم یافتہ طبقے کے لوگوں میں عام طور پر یہ احساس پیدا کر دیا جائے کہ وہ اہل علم کی شمولیت کی صحیح حیثیت کو نہ بھولیں آپ کے استاد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے خیال کی اس طرح داد دی کہ وہ پہلے ہی سے اس کے لیے تیار بیٹھے تھے آپ کو یاد ہے کہ جب مولانا محمد علی مرحوم گورنری پی کی آمد پر دیوبند تشریف لائے تو حضرت مولانا محمد علی مرحوم خود ان سے ملنے کے لیے ان کی قیام گاہ پر گئے تو اسی وقت آپ کے امام شیخ الہند ؒ نے مولانا محمد علی مرحوم کو اپنا لیڈر تسلیم کر لیا آپ اس وقت دیوبند میں نہیں تھے چنانچہ نادان لوگوں نے حضرت کے اس تقدم پر نکتہ چینی بھی کی تھی۔ خدا بھلا کرے ڈاکٹر مختار احمد انصاری کا جو علمائے دیوبند اور تعلیم یافتگان علی گڑھ کے ملانے میں ایک مضبوط کڑی ثابت ہوئے۔ وہ جب ہلال احمر کا وفد لے گئے تو اس میں علماء دیوبند بھی شریک ہوئے اور ایسے کام کو مکمل کرنے والے جناب مسیح الملک مغفور تھے آپ جب دہلی آئے اور مسیح الملک کی سرپرستی میں نظارۃ المعارف قائم ہوئی تو اس میں نواب وقار الملک اور حضرت شیخ الہند دونوں ایک درجے پر شریک ہوئے۔

ہندو مسلم اتحاد

اس مسئلے کے طے ہونے کے بعد مسیح الملک ؒ اور ڈاکٹر انصاری ؒ نے دہلی میں اس کام کو عملاً شروع کر دیا اور اس میں اعلیٰ درجے کی کامیابی ہوئی اور مولانا محمد علی مرحوم قومی لیڈر بن گئے۔ آپ ہندو دوستوں کے خیالات کو جانچتے رہے۔ ان میں بہت بڑا انقلاب پیدا ہو گیا پروفیسر

دی کہ اگر آپ چاہیں تو تمام ہندو مؤسسات کا مطالعہ کر سکتے ہیں اور وہ آپ کے لیے انتظامات کر دیں گے ۔ ان واقعات سے آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس قسم کی غلط فہمی ہندوؤں میں کافی طور پر موجود ہے ۔ لیکن وہ ناقابل علاج نہیں ۔ تھوڑی سی توجہ سے دور ہو سکتی ہے آپ سمجھتے تھے کہ تمام یورپ اور امریکہ میں پروپیگنڈا پھیل چکا ہے اور ہمارے ہندو بھائی جب ہندوستانیت کا تعارف کرتے ہیں تو یہ بتلاتے ہیں ہندوستانی ملاقات کے وقت رام رام کہا کرتے ہیں ۔

ہندوؤں کی ایک غلط فہمی

تاریخ پڑھ کر ایک ہندو نوجوان یہ نظریہ قائم کر لیتا ہے کہ ہندو اصل میں ہندوستانی ہے اور مسلمان انگریزوں کی طرح ایک بیرونی فاتح ہے ۔ اس لیے جب وہ ہند کو بیرونی لوگوں سے صاف کرنے کا خیال بناتے ہیں تو اس میں مسلمانوں کو بیرونی فرض کر لیتے اس میں شک نہیں کہ مسلمان شرفاء کی ایک بڑی تعداد عرب و عجم کے بزرگوں کی اولاد ہے اور ان کی زبان سے بعض اوقات ایسے کلمات بھی نکل جاتے ہیں ۔ جس سے ہندو نوجوان کو اپنے تخیل کی ایک سند بھی مل جاتی ہے آپ کو یقین ہے کہ ناظرین آپ کی شخصیت کے متعلق ناواقف نہیں ہوں گے آپ ایک ہندو گھر میں پیدا ہوئے اور ایک ہندو نومسلم کی کتاب تحفۃ الہند جو ایک برہمن کے واسطے سے آپ کو ملی اس کے مطالعہ کے بعد اسلام کی حقانیت پر یقین کر کے سولہ برس کی عمر میں گھر بار خویش واقارب چھوڑے اور ساڑھے تین سال کے عرصے میں علوم دینیہ کی تکمیل کر کے دارالعلوم دیوبند سے سند فضیلت حاصل کی آپ علمی تحقیقات سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہندوستانی آبادی کا ایک حصہ خصوصًا طبقہ سافلہ کاشتکار و مزدور ہندو بزرگوں کی اولاد ہے ۔ جو اسلام قبول کر چکا ہے اور جو بزرگ فاتحانہ طور پر ہند میں داخل ہوئے وہ یہیں کے ہو کر رہ گئے اور جو خاندان اس نئے مذہب اور تمدن کو ہند میں قائم کرنے میں کوششیں کرتے رہے ۔ ان کی اولاد میں فرق کرنا ایک نہایت حماقت آمیز جہالت ہے ۔ ہمارے بھائیوں کو بہت جلد اس غلط فہمی سے پاک ہو جانا چاہیے آپ کا یقین ہے کہ اسلام سے بہتر انسانیت کے لیے کوئی مذہب کوئی فلسفہ کوئی تمدن کوئی قانون میسر نہیں آ سکتا

اس ہندوستانیوں کو بھی کو عزت سے مان لینا چاہیے لیکن اگر بدقسمتی سے ایسا نہیں ہو سکتا تو ہم نو مسلم ایسے بھی گئے گزرے ہو گئے تو اپنی آبادی کے تناسب سے اپنے مذہب کی عزت تمام بھائیوں سے منوا نہ لیں۔ ایک ہندوستانی اسلام قبول کرنے کے بعد اپنے آپ کو زیادہ بہادر زیادہ شریف تصور کرتا ہے

کانگریس کے ایک لیڈر کی رائے

مسلم لیگ کا ڈیپوٹیشن جب شملے گیا تو مسٹر گوکھلے نے مسلمانوں کو اپنی تعداد سے زیادہ نمائندگی مانگنے پر ایک آرٹیکل لکھا تھا آپ نے اس کا ترجمہ پڑھا اس سے آپ کے دل میں یہ بات ٹھیک طور پر بیٹھ گئی کہ واقعی ہمیں انصاف کی رو سے اس قدر نمائندگی پر راضی ہو جانا چاہئیے جس قدر مسٹر کانت کرشن گوپال گوکھلے ہمارے لیے مانتے ہیں آپ نے راجہ صاحب سے اس کا ذکر کیا کہ جن صوبوں میں مسلم آبادی زیادہ ہے وہاں کوئی کارروائی مسلمانوں کے فیصلے کے خلاف نہیں ہونی چاہیے اسی طرح یہ مسئلہ بیرونی لوگوں کے سامنے نہیں آیا تھا۔ بلکہ برِ اعظم کو اکائی مان کر اکثریت کے فیصلے کو وہ لوگ ہندوستانی جانتے ہیں۔ انہوں نے آپ کی مدلل بات سنی اور اعداد و شمار پر غور کیا تو اُن کی رائے آپ کے موافق ہو گئی۔ جرمن کیپٹن نے کہا کہ ہماری گورنمنٹ نے ایک دفعہ غلطی کی ہے دوسری دفعہ نہیں کرے گی۔

راجہ مہندر پرتاپ صاحب

راجہ صاحب ہیومینٹیرین ہیں اور اسی کا پروپیگنڈہ کرتے ہیں لیکن اعلیٰ انسانیت کا معیار ان کے ذہن میں ایک کٹر سناتنی سے اونچا نہیں۔ ان کو ہندوستان میں میری ابتدائی مطالعہ کے مقابل مسلمانوں کی کوئی ہستی نہیں تھی۔

کابل میں مہمانوں سے رواداری ایک مرض کے درجے تک ترقی کر چکی تھی وہ مہمانوں کی بات صریحاً غلط سمجھ رہے ہوں تو پھر بھی اپنے آپ کو جاہل ظاہر کر کے مہمانوں کی خوشنودی حاصل

کرنا ضروری جانتے ہیں۔ عام مجلسوں میں ان کی غلط باتوں کے لیے شاعروں کے مقولے تائید میں پیش کر دیں گے۔ اس سے گمان سمجھ رہا ہے، کہ پروپیگنڈے کا خوب اثر ہو رہا ہے۔ راجہ صاحب بھی اسی غلط فہمی میں عرصہ تک مبتلا رہے یہ کہنا بجا نہیں کہ آپ کے مبادلہ خیالات نے راجہ صاحب کو مجبور کیا کہ ہندوستانی معاملات میں صحیح طور پر مسلمانوں کو شریک کریں اور آپ ان کے لیے ویسے نرم اور میٹھے ثابت نہ ہوئے جیسے مولانا برکت اللہ صاحب اس کے بعد آپ کے اور راجہ صاحب کے اکثر معاملات محبت سے طے ہوتے رہے اور آپ نے ان کے معاملات کو بھی پروفیسر کرپلانی کی طرح معمولی تصور کیا یعنی ایک غلط فہمی تھی جسے دلائل کی روشنی میں درست کر دیا گیا۔

راجہ صاحب کا حملہ

مگر واقعہ ایسا نہیں تھا انہوں نے ہندو مہاسبھا کا نظریہ اس وقت قبول کر لیا یا زیادہ صحیح طور پر کہا جائے تو انہوں نے اپنے قلبی فیصلے کو عملی صورت دینا شروع کر دی یعنی آریہ سماج کو ہراول بنا کر لالہ ہردیال کے نام سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے کافی محنت کے بعد اپنے بھائی سے سوئیٹزرلینڈ میں ملاقات کی صورت نکالی اور انہیں نشیب و فراز سمجھا کر واپس کر دیا اور راجہ کمار شاردھا کا لاہور میں جلوس اور پنڈت مالوی جی کا لالہ لاجپت رائے اور سوامی شردھانند سے جیل میں مل کر انہیں معافی کے لیے تیار کرنا معمولی واقعہ نہیں ہے آپ کا خیال ہے کہ اس میں راجہ صاحب کا ہاتھ کام کر رہا ہے۔

لالہ لاجپت رائے کی ملاقات استنبول میں

راجہ صاحب فرماتے تھے کہ حکومت مؤقتہ ہند کی نقل سوئیٹزرلینڈ کے سفر میں چرائی گئی ہے آپ کا خیال تھا کہ وہ بھی جناب پنڈت جی تک پہنچ گئی یا پہنچا دی گئی تھی اس سے جس قدر معلومات حاصل ہوئیں ان کا عام پروپیگنڈا آسان نہیں فورا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قدر گہرے واقعات کیسے معلوم ہوئے آپ کا خیال ہے کہ راجہ صاحب کی عزت محفوظ کرنے کے لیے لالہ لاجپت رائے آپ سے ملے اس کے بعد ہر ایک بات آپ کے نام سے کہی جا سکتی تھی آپ کی ملاقات سے لالہ جی نے اور بھی

فائدہ حاصل کرنا چاہا جس میں افسوس انہیں زیادہ نقصان اٹھانا پڑا ۔ یہاں پر یہ جملہ معترضہ ختم ہوا ۔

جرمن ممبروں کی شکایت

جرمن ممبر شکایت کرتے کہ برلن اور استنبول میں جو سبز باغ دکھائے گئے تھے اس کا عشر عشیر بھی نظر نہیں آتا، ہندوستانی ممبر سارا الزام جرمن ممبروں کے سر تھوپتے انصاف یہ ہے کہ اس مشن کا جو مقصد بیان کیا جاتا مشن نے اس کے موافق کوئی تیاری نہیں کی تھی ۔ راجہ صاحب کو جب آپ نے بعض کوتاہیوں پر متنبہ کیا تو فرمایا جرمن چانسلر نے بھی مجھے اس طرف متوجہ کیا اور میرے لیے آسانی پیدا کرنی چاہی لیکن میں نے خلاف شان سمجھ کر انکار کر دیا ۔

ہندوستانی مشن کا مقصد

جہاں تک آپ سمجھ سکے اس مشن کا مقصد یہ تھا کہ جرمن، ترکی اتحاد میں افغانستان شمولیت کا خیال کرے تو مالوی جی کا ایک نمائندہ اس سے واقف ہوتا رہے اور جہاں تک ممکن ہو ہندوستان کی سرحد سے اس مصیبت سے ٹالتا رہے ۔ سرحدی معاملات میں جو پوزیشن شاہ افغانستان کو حاصل ہے اس میں مہاراجہ صاحب نیپال کو شریک کرنے کی کوشش کرے انڈین سوسائٹی برلن نے پوری دانشمندی سے اس ہندو تحریک کو ہندوستانیت کا رنگ دینے کے لیے مولانا برکت اللہ مرحوم کو برائے نام اس میں شامل کر لیا ۔

مولانا برکت اللہ مرحوم

ان کی شمولیت کو جس قدر آپ بے معنی دکھلا رہے ہیں اس کا مولانا کی شخصیت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ مسلمانوں کی اس غفلت کی سزا ہے جو اپنے آپ کو اقلیت میں فرض کر کے اکثریت کے رحم پر زندگی بسر کرتے ہیں ۔ جب ایک شخص کے ذہن میں ٹھونس دیا جائے کہ تم اس بت کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے تو اس شخص کے بیکار ہوتے میں کیا کلام ہو سکتا ہے ۔

آپ اپنا مطلب واضح کرنے کے لیے ایک دو مثالیں تحریر فرماتے ہیں ۔

مولانا محمد علی مرحوم اور مولانا ابو الکلام آزاد جب اپنا اختیار گاندھی کے سپرد کر دیں تو کیا تو وہ اپنی قربانیوں سے مستفید ہو سکتے ہیں یا ڈاکٹر انصاری کو اگر سوامی شردھانند کے ساتھ وابستہ کر دیا جائے تو ان کی محنت کوئی پھل لا سکتی ہے۔ اسی طرح مولانا برکت اللہ مرحوم اگر راجہ صاحب سے اختلاف کر کے اپنا کام جاری نہیں رکھ سکتے تو ان کی ہاں میں ہاں ملانے کے سوا چارہ ہی کیا ہے۔

تیسرا باب

جنود اللہ

وہ ہندوستانی تعلیم یافتہ نوجوان جو لاہور سے یاغستان کی راہ اسی ارادہ سے کابل پہنچے کر ترکی جا کر وہ اس کی حمایت میں شریک جنگ ہوں کابل میں روک دیئے گیے جب آپ سردار نائب السلطنت سے مل چکے تو ان نوجوانوں کو پولیس کی حراست سے رہا کر دیا گیا۔ اور ان کی رہائش کے لیے وہی گھر تجویز ہوا جس میں آپ رہتے تھے آپ کی خواہش تھی کہ وہ ترکی جانے کا خیال چھوڑ دیں اور کابل میں رہ کر حکومت کی مصلحت جس قدر اجازت دے اسی قدر آپ کے ساتھ کام میں مصروف رہیں۔ وہ جب لاہور سے نکلے تھے تو منظم شکل میں سفر کر رہے تھے لیکن کابل میں لاہوری نوجوانوں کے ساتھ چند پشاوری نوجوان بھی شامل ہو گئے اور ان میں اختلاف شروع ہو گیا۔ بیکاری میں آہستہ آہستہ لاہوری جماعت کے افراد بھی کسی قدر مختلف ہو رہے تھے آپ کو جب یہ حقیقت معلوم ہوئی تو سب سے پہلے ان کے پرانے نظام کو تازہ کرنے کی کوشش کی اور عبد الباری بی۔اے جماعت کا رئیس منتخب ہوا۔ آپ کا تعلق اس جماعت سے اس رئیس کے توسط سے تھا۔ چونکہ ہندوستانیوں کی ایک جماعت سیاسی سازش کے الزام میں محبوس تھی اور وہ لوگ افغانستان کی محکمہ تعلیمات سے تعلقات رکھتے تھے اسلیے آپ افغانستان میں اپنا اصلی دلچسپ کام یعنی تعلیم بھی جاری نہیں کر سکتے تھے لیکن جب یہ نوجوان آپ کے ساتھ رہنے لگے تو آپ کو دہلی کے نظارۃ المعارف کا لطف حاصل ہونے لگا ان کے متعلق آپ کو کسی احتیاط کی ضرورت نہیں تھی اس جماعت میں کم از کم دس آدمی ایسے تھے جو تین سال سے زیادہ کالج میں پڑھ چکے تھے انہیں

آپ نے علیحدہ کر لیا اور کسی قدر مذہبی اور عام سیاسی اصول پر ان سے مذاکرات ہوتے رہے اس میں شیخ محمد ابراہیم اور مولوی محمد علی قصوری بھی شریک رہے۔ اس عرصے میں آپ کے بعض دوست دیوبند سے بھی پہنچ گئے۔ جن میں مولانا منصور انصاری بھی تھے وہ جمعیۃ الانصار میں آپ کے ساتھ کام کر چکے تھے مولانا سیف الرحمٰن بھی دہلی یاغستان ہوتے ہوئے کابل پہنچ گئے۔ مولانا سیف الرحمٰن اصل میں قندھاری افغان تھے ان کے آباء اجداد پشاور کے پاس کے پاس رہنے لگے انہوں نے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے حدیث پڑھی اور زیادہ عرصے ٹونک میں پڑھاتے رہے آخر میں دہلی کے مدرسہ فتحپوری کے مدرس اول بھی رہے۔ مولانا شیخ الہندؒ کے مشورے سے انہوں نے یاغستان کی طرف ہجرت کی اور حاجی ترنگ زئی کی معیت میں کچھ عرصہ جہاد میں شریک رہے اور پھر کابل تشریف لائے۔ سرحد میں مولانا ولایت علی کی جماعت کے مجاہدین میں پرانی حکومت مؤقتہ کی یادگار موجود ہے۔ مولانا ولایت علی عظیم آبادی حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہید کے خاص تربیت یافتوں سے تھے۔ حضرت سید صاحب کے ساتھ ہجرت کی یہ کابل میں سفارت کا کام کرتے رہے۔ اس کے بعد مولانا محمد اسحاقؒ دہلوی ماتحت ہند میں داعی بنا کر بھیجے گیے حیدرآباد اور بنگال میں بھی کام کرتے رہے۔ سید صاحب کی شہادت کے بعد ۱۲۴۶ھ میں انھوں نے اپنی مستقل جماعت قائم کرلی۔ ۱۲۵۰ھ میں حجاز یمن اور نجد کا سفر کیا ۱۲۶۲ھ میں شرقی افغانستان میں تشریف لے گئے مولانا ولایت علی مرحوم سید صاحب کی شہادت تسلیم نہیں کرتے تھے۔ ان کے انتظار میں بیٹھنے والی خاص جماعت پیدا کر دی ان کے بھائی مولوی عنایت علی اس خیال کے مخالف تھے اس لیے جماعت میں منتظرین اور مجتہدین دونوں فریق ملتے ہیں۔ اور ان مجاہدین کی امامت مولانا ولایت علی کے خاندان میں منحصر ہو گئی (واللہ الموفق ص۱۲)

ان کے وکیل مولانا محمد بشیر جو لاہور کی اہل حدیث جماعت کے معزز رکن تھے ہجرت کر کے جماعت مجاہدین میں رہتے تھے۔ نوجوانوں کی ہجرت میں ان کا خاص کام تھا وہ بھی اپنی جماعت کے فرائض انجام دینے کے لیے کابل پہنچے ان لوگوں کے مشورے سے آپ نے کام کرنے والوں کی ایک جماعت بنائی جسے "جنود اللہ" کہا جاتا تھا اس میں اگر کچھ عسکریت تھی تو اس قدر جتنی سالویشن آرمی

میں موجود ہوتی ہے اس نظام سے آپ نوجوانوں کی باہمی رقابتوں کو دور کرسکے اور انہیں مفرور طالب علموں کے مکروہ نام سے نجات دلانے میں کامیاب ہوئے سرحد میں حاجی ترنگ زئی کے آنے پر افغان مجاہدین کی جماعت بھی پیدا ہوگئی۔ حاجی ترنگ زئی چونکہ حضرت مولانا شیخ الہندؒ کے دوستوں میں سے تھے ان کے ساتھیوں میں بہت سے لوگ دیوبند میں پڑھے ہوئے تھے۔ اس لیے ان کے وکلا جب کابل آئے تو وہ بھی جنود اللہ میں شامل ہوگئے۔

حکومت مؤقتہ ہند

ہندوستانی مشن کو اپنے مطلب میں کامیابی نہ ہوئی۔ اعلیٰ حضرت اپنے ملک کو جنگ میں دھکیلنا پسند نہ کرتے تھے۔ انگریزوں سے انھیں بہت کچھ مراعات کی توقع تھی اس کے مقابل فریق ثانی کوئی تسلی بخش پروگرام نہ بنا سکا اور ممبروں کا اختلاف سونے پر سہاگے کا کام دے گیا۔ آپ کا خیال تھا کہ مستقبل ہند کے متعلق آپ کے نظریات چونکہ مشن ممبروں سے پورے طور پر نہ ملتے تھے اس لیے بھی آپ کو دربار میں جلد بڑھنے کا موقع مل گیا۔ حکومت نے مشن کے ممبروں کو آخری جواب دینے سے پہلے آپ کو ان سے ملنے کے لیے سامان بہم پہنچائے جس سے ان کے خواب کو ایک طرح مختلف تعبیرات سے پریشان کرنے کی کوشش کی گئی۔ مشن کی جو گفتگو اعلحضرت سے ہوئی وہ حرف بحرف برٹش قونصل کے ذریعے وائسرائے کو بھیج دی جاتی اس کے معاوضے میں انگریزوں نے کافی روپیہ اعلحضرت کے لیے بھیج دیا اور ان کی سالانہ گرانٹ میں بھی مستقل اضافہ ہوتا گیا۔ البتہ سردار نائب السلطنت کی صدارت میں جو باتیں ہوتیں وہ محفوظ رہتیں اور ان سے افغان گورنمنٹ اپنی ترقی کے لیے راستہ سوچتی۔ اس قسم کے کاموں سے ایک حکومت مؤقتہ ہند کا قیام تھا۔

روسی ہندوستانی مشن

راجہ مہندر پرتاب اور مولانا برکت اللہ نے مل کر حکومت مؤقتہ ہند کی بنیاد ڈالی جن میں بعض جرمن اور ترک بھی شامل ہوئے اس حکومت نے ایک وفد روسی گورنمنٹ کے پاس بھیجنے کا

فیصلہ کیا اور سردارِ نائب السلطنت نے اسے منظور کر لیا۔ اس پروگرام پر کام کرنے کے لیے ان کے پاس کوئی ہندوستانی نہیں تھا وہ چاہتے تھے کہ ہندوستانی نوجوان ان کے ساتھ کام کریں لیکن یہ آپ کی تنظیم میں جکڑے ہوئے تھے لہٰذا آپ کے ساتھ براہِ راست باتیں شروع ہوئیں آپ کی ابتدائی گفتگو میں ایک افغان افسر بھی موجود رہتا تھا۔ آپ کے ساتھ مبادلہ افکار سے وہ بہت سی باتیں سمجھنے لگا جو پہلے اس کی توجہ جذب نہیں کر سکتی تھیں آپ کے ساتھ مسلمان ہندوستانی نوجوانوں کے علاوہ دو سکھ بھی رہتے تھے جو "غدر پارٹی" کے ممبر تھے اور بلا پاسپورٹ ہندوستان سے بھاگ کر افغانستان میں داخل ہو گئے تھے وہ بھی پہلے پولیس کی حفاظت میں تھے پھر آزاد ہو کر آپ کے ساتھ رہنے لگے تھے۔ راجہ صاحب کی تجویز تھی کہ ان میں سے ڈاکٹر متھرا سنگھ کو اس روسی مشن پر بھیجا جائے مولانا برکت اللہ مرحوم کی تائید کے بعد دوسرے ممبر اس داخلی مسئلہ سے زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے تھے اس لیے وہ موافق ہو گئے اب آپ کے سامنے یہ مسئلہ ایک فیصلہ شدہ صورت میں ظاہر کیا گیا لیکن آپ ڈاکٹر متھرا سنگھ کی عام سیاسی واقفیت سے آشنا ہو چکے تھے۔ آپ نے اس میں ترمیم پیش کر دی کہ اس مشن پر ڈاکٹر متھرا سنگھ کے ساتھ ایک مسلمان نوجوان بھی جانا چاہیے راجہ صاحب نے اسے پسند نہ کیا اور اس پر بحث شروع ہو گئی آپ کا خیال تھا کہ مسلمانوں کے اشتراکِ عمل کا یہ مطلب نہیں کہ کام سوچنے والی جماعت میں ایک مغلوب حصہ مسلمانوں کا شامل رہے اور کام کرنے والی طاقت غیر مسلم ہو بلکہ عملی کاموں میں مسلمانوں کی صحیح شرکت ضروری ہے۔

اس بحث نے یہاں تک طول کھینچا کہ سردار نائب السلطنت کے سامنے معاملہ پیش ہوا ترک جرمن اور افغانستان بھی اس میں شریک ہوئے طرفین کی باتیں سن کر آپ کی رائے کے موافق فیصلہ ہوا۔ آپ کی اور راجہ صاحب کی تلخ گفتگو کا یہ آخری موقع تھا اس کے بعد کبھی اس قسم کی گفتگو کی ضرورت پیش نہ آئی۔

روسی ہندوستانی مشن کا مسلمان ممبر

آپ نے نوجوانوں کے رئیس سے اس کام کے لیے ایک ممبر طلب کیا اس نے اپنی جماعت کے پورے مشورے کے بعد ڈاکٹر خوشی محمد کا انتخاب کیا۔

چنانچہ جب یہ وفد روس سے ناکام واپس لوٹا تو ڈاکٹر متھرا سنگھ نے کوئی خاص رپورٹ نہ دی لیکن ڈاکٹر خوشی محمد نے مکمل تحریری رپورٹ دی جس سے حضرت مولانا سندھیؒ کی دانشمندی پوری طرح ظاہر ہوئی جنھوں نے مسلمانوں کو وفد میں شامل کر بھیجا تھا۔

حضرت مولانا سندھی کی حکمت علمی

آپ نے جب اخبارات میں پڑھا کہ جنگ عظیم کے بعد ترکی سلطنت کے حصے بخرے کیے جانے لگے ہیں تو انھوں نے اس کے خلاف اعلیحضرت امیر امان اللہ خاں سے مختلف حکومتوں کی طرف سرکاری خطوط لکھوائے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ترکی سلطنت کی تقسیم نہ کی گئی اس کام کے لارڈ کچز روانہ کیے گئے تھے جن کا جہاز سمندر ہی میں ایک خاص چال سے غرق کرادیا بہرحال حضرت سندھی آخر وقت تک انگریز کی ہر چال کا تسلی بخش جواب دیتے رہے۔

آئندہ صفحات پر ان کی انقلابی تفسیر قارئین کرام کی رہنمائی کے لیے انشاء اللہ العزیز شائع ہوتی رہا کرے گی۔ اس تفسیر کو حضرت سندھیؒ نے مدرسہ قاسم العلوم لاہور اور گوٹھ پیر جھنڈا کے مدرسہ دارالارشاد میں مختلف صحبتوں میں تحریر کرایا۔ اللہ تعالیٰ ماہنامہ الولی کے قارئین کو اس سے مستفید ہونے کی سعادت نصیب فرمائے اور ساتھ ہی عملی سپرٹ عطا فرمائے آمین۔

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین۔ اللّٰھمّ وفقنا لما تحب و ترضٰی واجعل اٰخرتنا خیر من الاولیٰ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین برحمتک یاارحم الراحمین۔